

## غیر مسلموں سے تعلقات اور اسلامی تعلیمات

### عام غیر مسلموں سے تعلقات

سید جلال الدین عمری

غیر مسلم والدین رشتہ داروں اور بنسایوں سے جس طرح کے خوشنگوار تعلقات کی اسلام نے اجازت دی ہے، اس کا ذکر اس سے پلے، شمارہ جنوری میں آچکا ہے۔ اب اس سلسلہ کی بعض عمومی تعلیمات پیش کی جا رہی ہیں۔

یہ تعلیمات صاف ہاتی ہیں کہ عام غیر مسلموں سے ربط و تعلق سے اسلام نے منع نہیں کیا، بلکہ وقت ضرورت ان کی خدمت کرنا اور ان کے دکھ درد میں کام آنا، اس کے نزدیک ایک پسندیدہ عمل اور کارثواب ہے۔ اس سلسلے میں اگر کچھ ذہنی تحقیقات تھے، تو اسلام نے انھیں رفع کیا ہے اور کسی قسم کے ٹک و شبے کو باقی رہنے نہیں دیا ہے۔

سورہ بقرہ میں ایک جگہ راہ خدا میں افاق کا ذکر اور ترغیب ہے، 'اخلاص کی ہدایت ہے اور ریا کاری سے بچنے کی تائید ہے' اور دوسری تفصیل ہدایات ہیں۔ عین ان تفصیلات کے بیچ میں ایک آیت آئی ہے، 'ہو قابل غور ہے' اور ہمارے موضوع سے اس کا خاص تعلق ہے۔ ارشاد ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ هُدَاءٌ هُمْ وَلِكُنَّ اللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَمَّا نُفِسِّكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا أَنْتُمْ أَنْتَعَاءٌ وَمَجْدُ اللَّهِ وَمَا تَنْفِقُوْرُ أَرْمَنْ خَيْرٍ يُوْرُفُ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَنْظَلِمُونَ (البقرہ ۲ : ۲۷۲)

(لے پیغیر) آپ پر ان کو ہدایت بخش دینے کی، مہ داری نہیں ہے، 'البتہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے۔ تم جو بھی مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا فائدہ تم ہی کو پہنچے گا۔ دیکھو، تم اللہ کی رضاہی کے لیے تو خرچ کرتے ہو۔ تم جو مال بھی خرچ کرو گے اس کا پورا بدلہ تمھیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی نہ ہوگی۔'

یہ آیت یہاں کیوں آئی ہے، اس کا اصل مضمون سے کیا تعلق ہے، اس بارے میں تفاسیر میں متعدد روایات ملتی ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تھی کہ مسلمان جو کچھ صدقہ و خیرات کریں وہ مسلمان ہی پر کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج ۱، ص ۳۲۳)۔ ایک روایت میں اس ممانعت کی وجہ بھی بیان ہوئی ہے۔ سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں کہ ذمیوں میں جو حاجت مند ہوتے، مسلمان ان پر انفاق کیا کرتے تھے۔ جب مسلمانوں ہی میں حاجت مندوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو آپؐ نے فرمایا: ”تم مسلمانوں ہی پر صدقہ و خیرات کرو“۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان لوگوں پر بھی خرچ کرنے کی اجازت دی گئی جو دارہ اسلام سے باہر ہیں (قرطی، الجامع لاحکام القرآن، ج ۳، ص ۲۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک اور روایت ہے۔ فرماتے ہیں انصار کے رشتے، بونقريظہ اور بونفسیر سے تھے۔ انصار ان پر اپنا مال خرچ کرنے سے احتراز کرتے تھے (ابن جریر، جامع البیان، ج ۵، ص ۵۸۸)۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ اسلام لے آئیں تو ان پر خرچ کیا جائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ روایت بتاتی ہے کہ پس منظر میں یہود اور ان سے تعلقات تھے۔ گویا آیت نے ہدایت کی کہ ان کے نادار بھی حسن سلوک کے مستحق ہیں اور ان پر بھی انفاق ہونا چاہیے۔ بعض دوسری روایات میں اسی پس منظر کے ساتھ مشرکین کا ذکر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین پر انفاق نہیں کرتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن جریر، ج ۵، ص ۵۸۷)۔ یہی بات صحابہ کرامؓ کے بارے میں بھی کہی گئی ہے کہ وہ اپنے مشرک قربت داروں پر خرچ نہیں کرتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس کی اجازت انھیں دے دی گئی۔ حضرت قادہؓ ایک عمومی بات بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ جو لوگ ہمارے ہم نہ، ہب نہیں ہیں، کیا ان پر بھی انفاق کیا جاسکتا ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اسلام کی جس طرح ہر طرف سے مخالفت ہو رہی تھی اور اس کے ماننے والے جس طرح جو روشنی کا نشانہ بنائے جا رہے تھے، اس کے خلاف مسلمانوں کے اندر رد عمل کا پایا جانا غیر فطری نہ تھا۔ ان کے دل میں کبھی یہ سوال ابھرتا ہوا گا کہ ان کے خوبیش و اقارب اور دور و نزدیک کے لوگ آخر اس دین کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں، جس میں سب کی صلاح و فلاح کا سامان ہے؟ کبھی وہ یہ سوچتے ہوں گے کہ ان لوگوں کے ساتھ کیوں ہمدردی کی جائے اور مشکلات میں ان کی مدد کیوں کی جائے جو زندگی

بھر ہمارے راستے میں کائیے بچھاتے اور ناک افگنی کرتے رہے؟ کبھی یہ خیال آتا ہو گا کہ ان دشمنان دین کے ساتھ تعاون کا کوئی اجر و ثواب بھی ہے یا نہیں؟ کبھی یہ خواہش موجود ہوتی ہو گی کہ کاش یہ ایمان لے آتے اور ہم اپنا سب کچھ ان پر نچادر کر دیتے؟ اور کسی روایات ان سب کیفیات کی ترجیحی کرتی ہیں۔

قرآن مجید نے اتفاق اور اس کے تقاضوں کو بیان کرتے ہوئے اس جذبے کی بھی اصلاح کی ہے کہ تعاون، ہمدردی اور حسن سلوک کے متحق صرف اپنے ہم مذہب افراد ہیں۔ اس نے کہا کہ انسانوں کی خدمت کی راہ میں عقیدہ و خیال اور دین و مذہب کے اختلاف کو راکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ جو شخص ضرورت مند ہے، اس کی مدد کرنا دینی اور اخلاقی فرض ہے، چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، مشرک ہو یا اہل کتاب، رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار۔ آدمی کی یہ خواہش یا اصرار کہ لوگ ایمان لے آئیں تو ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ ایمان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کے اندر طلب صادق پائی جاتی ہے اسے وہ اس دولت سے نوازتا ہے۔ آدمی یہ سوچ کر انسانوں کی خدمت اور فلاح و بہود کے کام کرتا چلا جائے کہ اس کا اجر و ثواب اللہ نے چاہا تو محفوظ ہے، اور کل وہ اس کے کام آئے گا۔ اس پورے پس منظر کے ساتھ یہ آیت ان بہت سے الزامات کی تردید کرتی ہے جو اسلام کے کردار پر کیے جاتے ہیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ نے مسلم و غیر مسلم ہر فرد اور ہر طبقے پر صدقہ و خیرات کی ہدایت فرمادی۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں: ”اس آیت کے بعد آپ نے حکم دیا کہ کسی بھی دین کا ماننے والا تم سے سوال کرے تو اس پر خرچ کرو“ (ابن کثیر، ج ۱، ص ۲۲۲)۔ اسی سلسلے کی ایک اور روایت ابن ابی شیبہ میں ہے: ”تمام اللہ مذاہب پر صدقہ و خیرات کرو“۔ حضرت سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے ایک یہودی گھرانے پر صدقہ کیا تھا جو بعد میں بھی جاری رہا (ایضاً)۔ اس آیت کے سیاق و سبق سے بحث کرتے ہوئے علامہ قرطبی کہتے ہیں: ”یہ آیت صدقات کے ذکر سے ملی ہوئی ہے۔ گویا اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ مشرکین پر صدقہ کرنا جائز ہے“ (قرطبی، ج ۲، ص ۲۳۸)

اس بحث کا تعلق مسئلے کے اخلاقی پہلو سے ہے۔ آئیے! اب ذرا اس کے فقی اور قانونی رخص پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔ سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے ماں کا کتنا اور کون سا حصہ غیر مسلموں کی مدد اور ان کی فلاح و بہود کے کاموں میں خرچ کر سکتا ہے، اور کون سا حصہ خرچ نہیں کر سکتا؟ اسلامی شریعت میں صدقات دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو فرض اور واجب ہیں، اور

دوسرے وہ جن کی نوعیت فرض یا واجب کی نہیں ہے۔ فرض صدقات میں سے پہلے زکوٰۃ کا سوال سامنے آتا ہے۔ ”اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ اموال زکوٰۃ غیر مسلم پر صرف نہیں ہوں گے“ (ابن قدامة، المغنى، ج ۲، ص ۶۵۳)۔

لیکن زکوٰۃ کے جو مصارف بیان کیے گئے ہیں، ان میں اس کے عمال اور کارندے بھی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا زکوٰۃ کی وصولیابی اور تقسیم غیرہ کے کام پر کسی غیر مسلم کو لگانا، اور اس کا سے محتنا نہ دینا صحیح ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ جس طرح اور کاموں پر اسے اجرت دی جاسکتی ہے اسی طرح اس کام پر بھی اسے اجرت دینا غلط نہیں ہے۔ مشہور حنبلی فقیہ علامہ خرقی کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے (ایضاً، ص ۶۵۲)۔

صدقہ فطر کے بارے میں امام مالک، امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ زکوٰۃ کے حکم میں ہے، لہذا اسے زکوٰۃ ہی کی طرح مسلمانوں پر صرف ہونا چاہیے۔ لیکن امام ابو حنیفہ ذمیوں پر بھی اس کے صرف کو جائز تھتھی ہیں۔ عمرو بن میمون وغیرہ کے بارے میں آتا ہے کہ فطرہ کی رقم سے وہ راہبوں کی مدد کیا کرتے تھے (ایضاً، ج ۳، ص ۸)۔

علامہ جحاص نے فقہ حنفی کی ترجمانی کرتے ہوئے قرآن مجید کی بعض آیات کا حوالہ دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات مشرکین پر بھی کیے جاسکتے ہیں، لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی تمام قسمیں اس سے مستثنی ہیں۔ رسول اللہ ”کارشاد ہے کہ مجھے تمہارے اصحاب ثروت سے زکوٰۃ وصول کرنے اور تمہارے اصحاب حاجت پر اسے لوٹا دینے کا حکم ہے۔ اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جن صدقات کے وصول کرنے کا حق امام یا ریاست کو ہے، وہ ذمیوں پر صرف نہیں ہو سکتے۔ ان کے علاوہ دوسرے تمام صدقات ذمیوں کو دیے جاسکتے ہیں۔ جیسے نذر کا صدقہ، غلطیوں کے کفارے کا صدقہ، یا صدقہ فطر۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ صدقات واجبہ غیر مسلموں پر صرف نہیں کیے جاسکتے۔ انھیں انھوں نے زکوٰۃ پر قیاس کیا ہے (جحاص، ج ۱، ص ۵۲۴)۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے فقماں کے ہاں اس مسئلے میں کتنی وسعت ہے اور انھوں نے کتنی تجدیش رکھی ہے۔

زکوٰۃ ایک چھوٹی سی مدد ہے، ”جو اللہ کی راہ میں خرچ کی جاتی ہے۔“ دیگر صدقات واجبہ کی تعداد بھی بہت تھوڑی ہے۔ ان سے ہٹ کر انسانوں کی خدمت، تعاون اور ہمدردی کی بہت سی شکلیں ہیں۔

اسلام ان سب کی تزغیب دیتا اور تشویق پیدا کرتا ہے۔ ان کے ذریعے مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کو بھی فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے، اور وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

### غیر مسلم قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک

انسان جب خدا اور آخرت کو فراموش کر بیٹھتا ہے تو اس کے ہاتھوں اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے حقوق محفوظ نہیں رہ پاتے۔ وہ کمزوروں، ناداروں، تیمیوں اور مسکینوں پر ستم ڈھانے اور ان کے حقوق پر دست درازی کرنے لگتا ہے۔ یہ بات قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کہی گئی ہے (الفجر ۱۹:۸۹، البلد ۹:۱، المدثر ۲۴:۲۲)۔ اس کے برخلاف خدا کے نیک بندوں کا کردار وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَيُطْعِمُونَ الظُّلَمَاءَ عَلَىٰ حُجَّهِ مُسْكِنِيْنَا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مُنْعَمًّا جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝ إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا فَمُطْرِبِرًا ۝

اور وہ کھانا کھلاتے ہیں، اس کی خواہش اور طلب کے باوجود مسکین، یتیم (اور قیدی کو، اور کتنے ہیں کہ) ہم تو تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلارہے ہیں، تم سے کسی بد لے یا شکریے کے طالب نہیں ہیں۔ ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا ذرہ ہے جو سخت مصیبت والا اور طویل ہو گا (الدھر ۶: ۱۰-۸)۔

معاشرے کے کمزور افراد کو کھانا کھلاتا، خدا کے نیک بندوں کے مجموعی کردار کی ایک اہم علامت ہے۔ یہاں اسی پہلو سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ مفکرات میں ان کے کام آتے ہیں، ان کو کھلاتے پلاتے ہیں، ان کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں، اور ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھتے ہیں۔

یہاں تیمیوں اور مسکینوں کے ساتھ قیدیوں کا بھی ذکر ہے۔ یہ پہلو بہت اہم ہے۔ یتیم اور مسکین چاہے اپنے ہوں یا پرائے، ان کا تعلق کسی بھی قوم اور طبقے سے ہو، ان کی بے کسی اور مظلومی کا احساس پایا جاتا ہے۔ یہ احساس آدمی کے اندر ان سے ہمدردی کے جذبات ابھارتا ہے۔ وہ ان کی مدد کرے یا نہ کرے، انھیں مدد کا بہر حال مستحق سمجھتا ہے۔ صرف شقی القلب اور خود غرض انسان ہی ان جذبات کو دیکھتا ہے۔ لیکن قیدیوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ وہ سماجی مجرم کہجے جاتے ہیں، ان کے ساتھ ہمدردی کا وہ جذبہ عام حالات میں مفقود ہوتا ہے جو کسی یتیم یا مسکین کے سلسلے میں پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے قیدیوں کے ساتھ دنیا میں بہت ہی برا سلوک ہوتا رہا ہے۔ انھیں سخت سے سخت اذیتیں دی جاتی تھیں، وہ کال کوٹھڑیوں میں پڑے پڑے ختم ہو جاتے تھے، باہر نکلتے تو ہاتھوں میں

ہنگڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ہوتی تھیں، ان کی ضروریات کی تجھیں کوئی متعین صورت نہ تھی۔ بسا اوقات بھیک پر ان کا گزارا ہوتا تھا۔ ان حالات میں اسلام نے اپنے مانے والوں کے اندر قیدیوں کے مجرم اور گناہ گار ہونے سے زیادہ ان کے انسان اور ہمدردی کے مستحق ہونے کا جذبہ ابھارا۔ ۱۰۱) مکہ کے اصحاب شروت اور زر پرست، مسکینوں اور قیدیوں کے ساتھ جس شفاقت اور بے رحمی کا سلوک کرتے تھے، قیدیوں کے ساتھ ان کا سلوک اس سے مختلف نہیں رہا ہو گا۔ اسلام نے اس پورے روئے پر تقدیکی، اور اللہ کے نیک بندوں کی تعریف کی کہ وہ ظلم و جور کے شکنے میں کے ہوئے قیدیوں کو اپنی محبت اور حسن سلوک سے راحت پہنچا رہے ہیں۔

مشہور تابعی مفسر عکرمہ "نے" "ایسر" سے غلام مراد لیا ہے۔ طبری نے اس رائے کو پسند فرمایا ہے۔ ان کے نزدیک ایسر کا لفظ عام ہے، اس میں مسلم اور مشرک دونوں طرح کے غلام آجاتے ہیں (ابن کثیر، ج ۲، ص ۲۵۵)۔ غلامی بھی ایک طرح کی قید ہی ہے۔ قرآن مجید نے بند غلامی کو توڑنے اور غلاموں کو آزاد کرنے کی تحریک شروع کی اور ترغیب و تشویق کے ذریعے اسے آگے بڑھایا۔

مدینہ میں جب اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو خدا کے ان نیک بندوں نے قیدیوں کے ساتھ جس حسن سلوک کا مظاہرہ کیا اس کی مثال پوری انسانی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

اس بحث کو آگے بڑھانے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ "ایسر" سے اس آیت میں کس قسم کے قیدی مراد ہیں۔ ہر ریاست بعض خاص قسم کے جرائم کے ارتکاب پر اپنے شریروں کو قید و بند کی سزا دیتی ہے۔ یہ شری یا مکی قیدی ہوتے ہیں۔ ریاست، حالت جنگ میں ہوتا وہ شمن کے افراد بھی قیدی بنائے جاتے ہیں۔ انھیں جنگی قیدی کہا جاسکتا ہے۔ اس آیت کے ذیل میں دونوں طرح کی رائیں ملتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس "فرماتے ہیں" "ایسر وہ ہے جس کا تعلق مشرکین سے ہو، ہو مسلمانوں کے ہاتھ میں (قیدی) ہو"۔ یہی تفسیر قادہ اور سعید بن جبیر "نے" کی ہے۔ قادہ کہتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور اس دور میں ان کے قیدی اہل شرک ہی ہوتے تھے" (قرطی، ج ۱۹، ص ۱۲۹)۔

حضرت عطاب بن ابی ربان کہتے ہیں کہ "ایسر" اہل قبلہ (مسلمان) اور غیر اہل قبلہ (غیر مسلم) دونوں ہیں ہو سکتے ہیں۔ قرطبی نے اسے ایک جامع قول قرار دیا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: "مشرک قیدی کو کھانا کھلانا بھی اللہ تعالیٰ سے ثابت کا ذریعہ ہے۔ البتہ اس پر خرچ فرض صدقات سے نہیں، اُنفل صدقات سے ہو گا (ایضاً)"۔

خاص کہتے ہیں کہ یہاں "ایسر" سے مراد مشرک قیدی ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان

قیدی کو علی الاطلاق ”ایسِر“ نہیں کہا جاتا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: ”آیت سے یہ بات نکلتی ہے کہ قیدی کو کھانا کھلانا، اللہ سے تقرب کا ذریعہ ہے۔ آیت کے الفاظ سے بظاہر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشرک قیدیوں پر ہر طرح کے اموال صدقات صرف کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن (جیسا کہ پہلے گزر چکا) ہمارے اصحاب کی رائے یہ ہے کہ اس سے وہ صدقات منتفی ہیں جن کے وصول کرنے کا حق حاکم کو ہے“ (جصاص، ج ۳، ص ۹۵)

جنگ بدر میں مشرکین کے بے آدمی مارے گئے اور بے ہی قیدی بنائے گئے (بخاری، کتاب المغازی)۔ رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کو صحابہ کرام ﷺ کے درمیان تقسیم کر دیا، اور نصیحت فرمائی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ اس پر عمل جس طرح ہوا اس کا ذاتی تجوہ حضرت مصعب بن عميرؓ کے بھائی ابو عزیز بن عمير کی زبانی ہے۔

وہ اس جنگ میں نظر بن حارث کے بعد مشرکین کے علم بردار تھے۔ فرماتے ہیں کہ وہ بعض انصار کے حوالے کیے گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کا ان پر یہ اثر تھا کہ صبح و شام کھانے کے وقت مجھے روٹی کھلاتے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے، ان میں سے کسی کو روٹی کا ایک غلکڑا بھی ملتا تو مجھے دے دیتا، اسے ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ اس سے مجھے شرم ہی محسوس ہوتی تھی (ابن هشام، سیرۃ النبی، ج ۲، ص ۲۸۸)۔

یہ جنگ بدر کے قیدیوں کا ذکر ہے۔ دیگر قیدیوں کے ساتھ بھی یہی مذنب اور شریفانہ رویہ اختیار کیا گیا۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیدی لا یا جاتا، تو آپؐ اسے کسی مسلمان کے حوالے کر دیتے اور فرماتے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ یہ قیدی اس کے پاس دو تین دن رہتا اور وہ (مسلمان) اس کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتا تھا“ (زمشتہ الرکشاف، ج ۳، ص ۱۹۲)۔

جنگ بدر کے قیدیوں ہی کے سلسلے کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ اجازت ہو تو میں سعیل بن عمرو کے اگلے دانت توڑ دوں تاکہ اس کی زبان باہر نکل آئے، اور وہ پھر کبھی آپؐ کے خلاف اپنی خطابت کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں (اس طرح کی) سزا دوں تو اللہ مجھے بھی لئی سزا دے سکتا ہے گو کہ میں نبی ہوں۔ ایک اور روایت میں ہے، ممکن ہے کہ کل وہ کسی ایک حیثیت میں ہو جو تمہارے لیے ناگوار نہ ہو [یعنی مسلمان ہو] (ابن هشام، ج ۲، ص ۲۹۲)۔

اس میں شک نہیں کہ موجودہ دور میں ملکی قیدیوں اور قید خانوں کے متعلق قوانین میں اصلاحات

ہوئی ہیں، جنگی قیدیوں کے بارے میں بھی بعض بنیادی اصول تسلیم کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان اصلاحات اور قوانین کا تعلق ریاست سے ہے، عوام ان سے غیر متعلق رہتے ہیں اور انھیں ان سے وچھپی نہیں پیدا ہوتی۔ اسلام نے ریاست کے ساتھ اس کے ایک ایک فرد میں قیدیوں سے ہمدردی کے جذبات پیدا کیے۔ اس کے نتیجے میں تاریخ نے یہ کارناہ دیکھا کہ جو قوم اسلام کے مانے والوں سے بر سر پیار تھی، اور جو انھیں ختم کرنے اور مٹانے کے درپے تھے، اس کے افراد جب میدان جنگ سے گرفتار ہو کر آئے، تو انہوں نے خود تکلیف اٹھا کر ان قیدیوں کو راحت پہنچائی، خود بھوکے رہے یا روکھا سوکھا کھایا اور انھیں اچھا کھلایا پہلایا، ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھا۔ ان کی یہ ساری خدمت بے لوث اور بے غرض تھی۔ وہ نام و نمود نہیں چاہتے تھے، انھیں کسی صلد کی تمنا نہ تھی، ان کے سامنے صرف اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی تھی، وہ جو کچھ کرتے تھے، اسی کے لیے کرتے تھے۔

اس طرح اسلام نے چایا کہ غیر ملکی اور دشمنوں کی صفائح سے گرفتار ہونے والے جنگی قیدی بھی بہتر سلوک کے متعلق ہیں۔ ان کے ساتھ غیر انسانی روایہ اختیار کرنا اور انھیں اذیت پہنچانا تاروادا ہے۔ وہ گو دشمن ہیں، لیکن انسان ہیں۔ جب وہ اپنے حقوق حاصل کرنے میں آزاد نہیں ہیں تو ان کے انسانی حقوق کا احترام ہمارا فرض ہے۔ ریاست کو یہ حق بھی ہے کہ اگر اس کے مفادات کو نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو فدیا لے کر، یا بغیر فدیے کے انھیں آزاد کر دے۔ یہ سب باقی اسلام کے قوانین جنگ کا ایک حصہ ہیں۔ ان سے دنیا نے جنگ و صلح کے میں الاقوایی اصول و آداب سکھے اور بہت سی اصلاحات کیے۔ یہاں تو دشمن کے قیدیوں کے ساتھ اس حسن سلوک کا ذکر ہوا ہے جس کی اسلام نے تعلیم دی اور جس کا عملی نمونہ اس کے مانے والوں نے پیش کیا۔

بعض لوگوں نے سورہ دہر کی آیت کا تعلق مسلمان قیدیوں سے بھی جوڑا ہے۔ ظاہر ہے دشمن اور غیر ملکی قیدیوں کے ساتھ جس سلوک کا جو نمونہ پیش کیا گیا ہے، مسلمان قیدیوں کے سلسلے میں اس سے بہتر رویے ہی کی توقع کی جاسکتی ہے۔ قادة کہتے ہیں: ”اس وقت ان کے قیدی مشرک تھے (اور ان کے ساتھ یہ حسن سلوک رہا)، تمہارا بھائی جو مسلم ہے وہ تو اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اسے کھلاو پلاو اور اس کی ضروریات کا خیال رکھو“ (الکشاف، ج ۲، ص ۱۹۲)۔